مابعد نو آبادیات کی جمالیات کی تشکیل میں فرانز فینن کا کردار
The Role of Frantz Fanon in Shaping Postcolonial Aesthetics

حمیرا اعثان
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، یٹنل کالج اولڈ کیمپس، پنجاب ہونی ور سٹی، لاہور
ڈاکٹر ناصر عباس نیّر
ایسو سی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اوریٹنل پنجاب ہونی ور سٹی، لاہور

Abstract

Post Colonialism is a postmodern literary theory. Frantz fanon's writings played an important role in the formation of the aesthetics of the theory of postcolonialism. In his writings, there is a detailed discussion of the strategy adopted to sustain the colonialism by colonizer. He also analyzed the settler's indigenous relationship with colonies. He suggests an alternative path of resistance for Third World nations, the path, that will lead to true freedom. Franz Fanon has analyzed common narratives of colonizer which were being created to captivate them for longer time period. According to Fanon, violence is the defining characteristic of colonialism, which can be equally practiced by natives for liberation.

Keywords: Frantz Fanon, Postcolonial Aesthetics

تمہید

مابعد نو آبادیات کی تھیوری مغرب کے غالب علمی کلامیوں کے رد تشکیلی مطالعات کے ذریعے ان کے استناد پر سوال اٹھاتی ہے نو آبادیاتی نظام کے عملی کلامیے میں مشرق کے متعلق کئی مفروضے پیش کیے گئے، مابعد نو آبادیات کی تھیوری ان مفروضوں کا مطالعہ کر کے ان میں سے بیشتر کو واضح دلائل کی بنیاد پر رد کرتی ہے اور ان کی وراثتی حیثیت کا بھی انکار کرتی ہے۔مابعد نو آبادیاتی تھیوری کے ادب پر اطلاق سے مابعد نو آبادیاتی تنقید موجود میں آتی ہے یہ تھیوری نو آبادیوں کی تاریخ کو از سر نو تشکیل دیتی ہے نو ابادیات میں تاریخ فاتح کے نقطہ نظر سے لکھی جاتی ہے جو جانبدارانہ عناصر سے بھرپور ہوتی ہے۔مابعد نو آبادیات، تاریخ میں ترمیم یعنی واقعات کے اسباب و علل کا از سر نو غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے کا دعوی کرتی ہے۔مابعد نو آبادیاتی کلامیے کا اغاز افریقہ سے تعلق رکھنے والے فرانس فینن اور ایمی سیزائر کی تحریروں سے ہوا اسے باقاعدہ تھیوری کی شکل دینے میں بنیادی حصہ ایڈورڈ ڈبلیو سعید کا ہے اس کلامیے کی تدریج میں سابقہ نو ابادیوں سے تعلق رکھنے والے دانشوروں نے حصہ لیا اس کلامیے

کے بنیادی نظریہ سازوں نے نو آباد کار ممالک میں تعلیم حاصل کی فرانز فینن بھی فرینچ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہے۔ نوابادی اور آباد کار کے ملک کا قریب سے مطالعہ ان کے لیے ثمر اور ثابت ہوا نو آباد کار کے علمی اور سیاسی حربوں کا علم ان کے لیے معاون ثابت ہوا فرانز فینن مابعد نو آبادیات کے ابتدائی اور اہم نظریہ سازوں میں سے ایک ہے۔ اس نے مابعد نو آبادیات کی جمالیات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ 20 جولائی 1925ء کو غرب الہند کے جزائر میں سے ایک مارٹینک میں پیدا ہوا۔ مارٹینک اُس وقت فرانس کی نو آبادی تھا۔ فینن کا والد افریقی غلاموں کی نسل سے تھا لیکن وہ خوشحال متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مارٹینک کے دالحکومت فورٹ ڈی فرانس کے بہترین اسکول میں فینن نے تعلیم حاصل کی جہاں اس کا استاد نو آبادیاتی نظام کا مشہور نقاد اور شاعر ایمی سیز ائر تھا۔ یہ وہ دور تھا جب مارٹینک کے متوسط اور خوشحال طبقے کو اپنی ثقافتی اور قومی شناخت کے مسائل درپیش تھے۔ ان کے اسکولوں میں فرانس کے تاریخ اُن کی تاریخ کے طور پر پڑھائی جارہی تھی اور نسبتاً بہتر معاشی حالات رکھنے والے لوگ فرانسیسی ثقافت میں مدغم ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ فینن نے دوسری جنگ عظیم میں فرانسیسی فوج میں ملازمت اختیار کرلی۔ جنگ کے بعد اُس نے فرانس میں ہی نفسیات اور طب کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں اُسے نسلی تعصب کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

1935 میں وہ الجزائر کے ہسپتال میں نفسیات کے شعبے میں چیف آف سٹاف کے طور پر تعینات ہوا۔ یہاں اُس نے اُن فرانسیسی فوجیوں کا علاج کیا جو نو آبادیاتی نظام کے خلاف مزاحمت کرنے والے مقامی افراد پر تشدد کرنے پر معمور تھے۔ 1953 میں وہ فرانسیسیوں کے سامراجی مقاصد میں اُن کا ساتھ دینے سے انکار کرتے ہوئے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گیا۔ سرکاری ملازمت چھوڑنے کے بعد اُس نے الجزائر کی آزادی کی تحریک کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ اُس نے المجاہد نامی اخبار نکالا اور الجزائریوں کے حقوق آزادی کے متعلق کئی تحریریں لکھیں۔ اس دور کی فینن کی تحریریں 1964 میں "ٹو ورڈ دا افریقن ریوولیوشن" کے نام سے شائع ہوئیں ۱۹۵۹ء میں اُس نے گھانا کے سفیر کی حیثیت سے الجزائری افواج کے لیے رسد کے راستے کھلوائے۔ گھانا میں ہی اُسے لیوکیمیا نامی بیماری میں مبتلا ہونے کا علم ہوا۔ اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود فنین نے زندگی کے آخری دس ماہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "دی ریچڈ آف دی ارتھ" لکھتے ہوئے گزرے۔ اکتوبر 1961 میں ایک سی۔ آئی۔ اے ایجنٹ اُسے علاج کے لیے امریکہ لے آیا۔ دسمبر 1961 کو اس کا انتقال ہو گیا۔ الجزائر کی آزادی کی تنظیم ایف۔ ایل۔ این کی درخواست پر اس کا جسم تیونس کو واپس کر دیا گیا جہاں سے اسے سرحد پار الجزائر میں دفنایا گیا۔ اس کی خدمات کے اعتراف میں اسے الجزائر کے شہدا کے قبرستان میں دفنایا گیا اس کی خاک اسی سرزمین میں پہنچی جس کی آزادی کے لیے لڑتے ہوئے اس نے زندگی کے آخری پانچ سال گذارے۔ فرانز فنین نے فرانس کے نو آبادیاتی نظام کا مارٹینک اور الجزائر میں قریب سے مطالعہ کیا، افریقی ممالک میں نو آباد کاروں نے تشدد کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر کیا۔ برصغیر میں اس نظام کو رائج کرتے وقت تشدد بھی کیا گیا لیکن زیادہ تر استحصال ذہنی تھا۔ فینن نے نو آبادیاتی نظام میں تشدد کے نتیجے میں متاثرہ افراد میں پیدا ہونے والی ذہنی اُلجھنوں اور نفسیاتی بیماریوں کا بطور ماہر نفسیات مطالعہ کیا۔ محکوم معاشرے کو ایک دانشور اور ماہر نفسیات کی نظر سے دیکھنے کے بعد اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ استعمار کو شکست دینے کے لیے تشدد اختیار کرنا لازم ہے وہ دیسی باشندوں کے تشدد اختیار کرنے کو دو وجوہ کی بنا پر جائز قرار دیتا ہے۔

1) تشدد اور مسلح مزاحمت کے ذریعے ہی نو آباد کار سے آزادی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بات چیت اور پرامن طریقے سے ایک استعمار دیسیوں کو ان کا جائز حق دینے پر کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔

2) تشدد نوآبادکار کے پیدا کردہ اعصابی امراض کا علاج کرتا ہے اور تزکیہ نفس کا کام کرتا ہے۔
فینن دیسی باشندہ کے تشدد اختیار کرنے کو کئی حوالوں سے ضروری قرار دیتا ہے۔ استعمار اپنی حکمت عملی میں تفرقہ بازی کا کام ضرور لیتا ہے۔ جب دیسی انتہائی ذلت کے بعد ایک چیونٹی کی طرح سر اٹھاتے ہیں اور نوآبادکار کے خلاف ہتھیار اٹھا لیتے ہیں تو یہ تشدد انہیں باہمی اختلافات بھلا کر ایک مقصد کے لیے کھڑا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں متحد کر دیتا ہے۔ اکثر اوقات اس کے پاس تصادم اور تشدد کی راہ اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا۔ فینن کے مطابق اس لمحے جب آپ اور آپ جیسوں کو کتوں کی طرح ختم کیا جانے لگے تو آپ کے پاس اپنی انسانی اہمیت برقرار رکھنے کے لیے ہر قسم کے ذرائع استعمال کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ 1 [1] وہ تشدد کو ایک مصفیٰ قوت سمجھتا ہے جو قومی باشندوں کو ان کے احساس کمتری، مایوسی، اور بے عملی سے نجات دلاتا ہے۔ یہ انہیں نڈر بناتا ہے اور ان میں عزت نفس بحال کرتا ہے۔ نوآبادکار اپنے گرد ایک طلسماتی فضا پیدا کرتا ہے۔ وہ مقامی کو یہ باور کراتا ہے کہ وہ ناقابل شکست، سورما اور خدا کا چنیدہ ہے اور اس کی ہر خصوصیت خود بخود مقامی کو اس کے متضاد رخ پر متعین کرتی جاتی ہے۔ مقامی باشندہ تشدد کے ذریعے اس احساس کمتری سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ نوآبادکار کے قدموں تلے بس کر وہ خود کو بزدل اور بے عمل سمجھ لیتا ہے۔ لیکن تشدد اس کا کھویا ہوا وقار واپس کر دیتا ہے۔ قومی آزادی کی مسلح جنگ میں الجھے ہوئے سپاہی کے سامنے دو مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک دشمنوں کو ختم کر کے آزادی حاصل کرنا اور دوسرا مقامی باشندے کی انا کو بحال کرنا۔ استعمار کے نمائندوں اور دیسیوں کے مابین تصادم کچلے ہوئے لوگوں کو بحال کر کے تعمیر نو کے ایک ایسے عمل کو جاری کر دیتا ہے جو انتہائی بار آور اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ آزادی کی جنگ عوام کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ استعماری انتظامی فوجی قبضے اور اقتصادی استحصال کے ذریعے ان کے شعور میں مستحکم نام نہاد حقائق کا پول کھولنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے حیوانی تصور سے انکار کر دیتے ہیں صرف مسلح تصادم ہی انسانی ذہن سے اس دروغ کو خارج کر سکتے ہیں جو ہم میں سے سب سے زیادہ توانا ذہنوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور جو لفظاً اور معناً ہمیں لُنجا کر دیتا ہے۔ 2[2]

نوآبادیاتی نظام اور نوآبادکار

نوآبادیاتی نظام اپنے استحکام کے لیے حولائحہ عمل ترتیب دیتا ہے۔ اس میں جغرافیہ ایک اہم کردار ادا کرتا ہے دیسی اور نوآبادکار کی الگ الگ دنیائیں ترتیب دی جاتی ہے۔ نوآبادکار مقامی آبادیوں سے دور اپنی بستی آباد کرتا ہے۔ جو فوجی چھاؤنیوں اور پولیس چوکیوں سے گھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہ دونوں علاقے ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ نوآبادکار کا علاقہ صاف ستھرا، سہولتوں سے مزین اور پختہ ہوتا ہے جب کہ مقامی باشندوں کو اندھیروں کا شکار اور کچی بستیوں میں رینگنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ نوآبادکار مقامی باشندے کی اس حالت کو نہ صرف حقارت سے دیکھتا ہے۔ بلکہ اس پر حسد کا الزام بھی عائد کرتا ہے۔ وہ مقامی کو حریص قرار دیتا ہے جو اس کی زندگی اس کے علاقے اور اس کی بیوی کو لالچی نظروں سے دیکھتا ہے۔ یہ فرق نوآبادکار کا ارفع تصور تشکیل دینے میں مدد کرتا ہے۔ مقامی احساس کمتری کا مزید شکار ہو جاتا ہے۔ نوآبادیاتی نظام حاکمیت کا دورس لائحہ عمل ترتیب دیتا ہے۔ محض بندوقوں کی طاقت سے کسی قوم پر اتنا عرصہ ہی حکومت کی جا سکتی ہے۔ جب تک اس میں گولی موجود ہے لیکن اگر ذہن غلام بنا لیے جائیں تو ہتھیاروں کے بغیر اور لمبے عرصے تک اپنے مفاد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ مقامی باشندوں

[1] Franz Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k*, trans. Muhammad Parvez, Sajjad Baqir Rizvi, (First Edition) (Lahore: NIgārashāt, 1949), 276.
[2] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k*.

کی دماغ شوئی کر کے انھیں ایک مخصوص تصور ذات عطا کرنا نو آبادیاتی نظام کا وہ ہتھیار ہے جو اسے طویل عرصے کا تحفظ فراہم کر دیتا ہے۔ دیسیوں کو یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ وہ نو آباد کار سے کم تر ہیں۔ اس کے لیے حکومتی وسائل کو بھرپور استعمال کیا جاتا ہے۔ سائنسی تجزیے، رپورٹیں، فلسفیانہ آراء اور تاریخی حوالوں کے ذریعے مخصوص تصور ذات کو ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام میں یہ کام سائنسی طریقہ کار استعمال کرتے ہوئے اتنے بھرپور انداز میں کیا جاتا ہے کہ مقامی باشندہ اس کی تہہ میں چھپے جھوٹ کو جاننے سے قاصر رہتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ خود بھی اسی تصور ذات کو قبول کر لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسے جہاں ایسے مواقع حاصل ہوں جہاں وہ نو آباد کار سے اپنی تذلیل کا بدلہ لے سکے تو وہ انھیں استعمال نہیں کرتا۔ نو آباد کار کا مقامی باشندے کی شکست پر سب سے کاری وار اسے حیوان قرار دینا ہوتا ہے اور اس کے افعال کو حیوانوں سے متشابہہ قرار دیتا ہے۔ انسان اور حیوان کو ممیز کرنے والی بنیادی صفت عقل ہے نو آباد کار مقامی کو عقل سے بے بہرہ قرار دے دیتا ہے اس کی دماغی نشو نما کو ایک بچے کی مانند ناپختہ کہتا ہے۔[3] جیسا کہ رڈیارڈ کپلنگ نے ہندوستانیوں کو ہاف ڈیول ہاف چائلڈ قرار دیا۔

کسی بھی قوم کی معاشرتی زندگی کے وہ پہلو جنھیں وہ باعث فخر جانتے ہوں اُن کی روایات اور رسوم و رواج ہوتے ہیں نو آباد کار اس گرم لوہے پر ضرب لگانا نہیں بھولتا وہ مقامی سے اس کے اختیار چھین لینا چاہتا ہے اسی لیے وہ مقامی رسوم و رواج کو مضحکہ خیز قرار دیتا ہے اور مقامی روایات کو بنجر قرار دیتا ہے۔ مقامی رسوم و روایات کی تضحیک اتنے شد و مد سے کی جاتی ہے کہ محکوم قوم کی آنے والی نسلیں غیر شعوری طور پر اپنی روایات سے بیزار نظر آتی ہیں اور نو آباد کار جیسے الفاظ میں ہی خود کو ان سے بری قرار دیتی ہیں۔ نو آباد کار یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ مقامی ثقافت اور ادب میں اعلیٰ اقدار سرے سے ہی موجود نہیں اسے اخلاقیات سے بے بہرہ قرار دیا جاتا ہے بلکہ مقامی ثقافت کو اقدار کا دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ فینن نو آبادکار کی حکمت عملی یوں بیان کرتا ہے۔ نو آبادیاتی اقوام کے رسوم و رواج ان کی روایات اور سب سے زیادہ ان کی داستانیں ان کے روحانی بنجر پن اور آئینی زوال کی علامتیں ہوتی ہیں یہی سبب ہے کہ ہمیں ان جراثیم کو مارنے کے لیے جو بیماریوں کو پھیلاتے ہیں فوری طور پر ڈی ڈی ٹی کا استعمال کرنا چاہیے[4]۔ وہ مقامی باشندوں کو بدی کا منبع اور نہایت تباہ کن عنصر قرار دیتے ہیں۔ مقامی گرد و پیش کی ہر شے کو برباد کر دیتا ہے وہ اشیا کی اصل ہیت کو بگاڑ دیتا ہے وہ نہایت مضر طاقتوں کا منبع اور اندھی قوتوں کا شکار اور ان کا لاشعوری آلہ کار ہوتا ہے۔ یہ بات مسلّم تھی کہ الجزائری پیدائشی مجرم ہوتا ہے اسی طرح ایک نظریہ قائم کیا گیا اور اس کی حمایت کے لیے سائنسی ثبوت مہیا کیے گئے[5]۔ نہ صرف وہ مجرم ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے جرم میں وحشی پن شامل کر کے زیادہ مطمئن ہوتے ہیں۔ الجزائریوں کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ وہ گولی یا بندوق سے قتل کرنے کی بجائے چاقو سے گلہ کاٹنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں یوں وہ خون کو براہ راست دیکھ کر اپنے اندر کے وحشی پن کی تسکین کرتے ہیں۔ نو آباد کار مقامی سے کوئی برائی منسوب کرتا ہے تو اسے اس کی انتہائی حدوں تک پہنچا دیتا ہے اُس کے مطابق مقامی اپنے ہر عمل میں انتہا پسند ہے۔ نو آبادیاتی نظام میں مقامی کی برائیوں اور اس کے جذبات اور اس کی زندگی کے بیشتر افعال کو غیر معتدل اور شدید قرار دیا گیا موجودہ استعماری نظام نے اسی تصور سے انتہا پسند اور شدت پسند کی اصطلاحیں اخذ کیں جو آج تیسری دنیا کے انسانوں کے لیے بہ کثرت استعمال کی جاتی ہیں

[3] Rudyard Kipling (New York City, Doubleday, Doran & Co. 1940), 321.
[4] Fanon, *Iftā dagān-e-Khāk*, 8.
[5] Fanon, *Iftā dagān-e-Khāk*, 277.

مقامی باشندے کے متعلق یہ مفروضہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ وہ ضعیف الاعتقاد ہوتا ہے ہٹ دھرم ہے وہ ذہنی طفولیت میں مبتلا ہے لیکن مغربی بچوں کا سا احساس تجسس اس میں موجود نہیں وہ منتشر الخیال ہوتا ہے۔اس کے اعمال جبلی اور جارحانہ ہوتے ہیں۔

نوآبادکار مقامی کا جو تصور ذات پیش کرتا ہے اسے ثابت کرنے کے لیے سائنسی تحقیقات،نفسیاتی ماہرین اُن کے مقدموں کے فیصلے کرنے والے جج اور وکلا کی آراء کا سہارا لیا جاتا ہے۔فینن ایک ذہنی واعصابی امراض کے ماہر پروفیسر پورو کے نظریات بیان کرتا ہے۔اس نے کہا کہ انسان میں اعلیٰ دماغی صلاحتیں اس کے کارٹیکس مغز کی بدولت پیدا ہوتی ہیں۔دوسرے فقاریہ جانوروں میں کارٹکس کی بجائے دماغ کا ایک بہت ابتدائی حصہ ڈائی انسیفلون پایا جاتا ہے-[6]اس کے مطابق شمالی افریقہ کا باشندہ جس کی اعلیٰ اور دماغی صلاحیتیں بہت کم پذیر ہوتی ہیں ایک قدیم مخلوق ہے جس کی بنیادی طور پر نباتاتی اور جبلی زندگی کا انحصار سب سے زیادہ اس کے ڈائی انسیفلون پر ہے[7]۔ڈاکٹر پورو نوآبادکار کی اس خواہش کی نمائندگی کرتا ہے وہ مقامی کو انسانی درجہ سے گرا کر حیوانی سطح پر لے آتا ہے جس کے تحت وہ مقامی کو حیوان قرار دینے یا انسانیت کے رتبے سے خارج کرنے میں ہی نوآبادکار کی بقا پوشیدہ ہوتی ہے ژاں پال سارتر کے مطابق چونکہ کوئی شخص جرم کا مرتکب ہوئے بغیر اپنے جیسے انسان کو نہ غلام بنا سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے اور نہ قتل کر سکتا ہے اس لیے وہ یہ اصول وضع کرتے ہیں کہ دیسی باشندہ ہمارے جیسا انسان نہیں[8]۔

افریقہ نوآبادیاتی شکنجے میں

افریقہ ایک طویل عرصے تک نوآبادیاتی شکنجے میں سرتاپا جکڑا رہا ان کے متعلق پیش کیے گئے ایسے تجزیے یورپ کی یونیورٹیوں میں پڑھائے جاتے رہے افریقی کو ایسا یورپی بھی قرار دیا گیا جس کے بعض دماغی گوشے کاٹ دیے گیے ہوں لوباٹامی نامی علاج میں کچھ دماغ گوشے کاٹ دیے جاتے ہیں۔جس سے انسان مکمل نارمل اور پاگل پن کی درمیانی کیفیت میں زندہ رہتا ہے ایک نارمل افریقی کو لوبوٹومائزڈ یورپی کے برابر قرار دیا۔دیسیوں کو جبلی طور پر کم عقل ثابت کرنا نوآبادکار کے ساتھ سامراجی مقاصد کے لیے مفید ہوتا ہے۔ان کی ذہنی ساخت کو ان کی نااہلی ذہنی اور معاشرتی کم مائیگی کا سبب قرار دیا جاتا ہے ان کے ناقص اعصابی نظام دماغ کے حرکی عمل سے مغز کے ان کو گوشوں کا غیر مربوط ہونا ہی ان کی ڈاکہ زنی ان کے جرائم ان کی زناکاری اور ان کی دروغ گوئی کی تشریح ہے۔مقامی باشندوں کو فطری طور پر ناقص العقل قرار دینا نوآبادکار کو اپنی حکومت کا عمدہ جواز فراہم کرتا ہے۔ان کو نیم وحشی قرار دینا ان کو غلام بنانے کا جواز بھی فراہم کرتا ہے اور ان پر قبضہ کر کے حکومت چلانے کا بھی۔
فینن ایک یورپی ماہر کی رائے بیان کرتا ہے۔ان فطری حیوانوں کو جو اندھا دھند اپنی فطرت کے اصولوں کی پیروی کرتے ہیں ہمیں ایک سخت گیر اور بے رحم حکمران طبقے کی مدد سے روکنا چاہیے ہمیں فطرت کو قائل کرنے کی بجائے مغلوب کرنا چاہیے۔نوآبادکار جب مقامی باشندے کا تصور ذات پیش کرتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ وہ اپنا تصور ذات بھی تشکیل دیتا ہے اور فینن کے مطابق نوآبادکار یہ کام مانویت کے اصولوں پر کرتا ہے۔[9]

---

[6] Fanon, *Iftādagān-e-Khāk*, 278.

[7] Jean-Paul Sartre, *Preface to The Dust*, Translation, Mohammad Parvez, Sajjad Baqir Rizvi (Lahore, Books 13 949), 13.

[8] Fanon, *Iftādagān-e-Khāk*, 285.

[9] Fanon, *Iftādagān-e-Khāk*, 213.

اس اصول کے مطابق نو آباد کار اور مقامی دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں ایک سراپا خیر ایک سراپا شر ان کی ذاتی شخصیت اُن کا ماحول علاقہ، لباس، خوراک، ظاہری سراپا سب کچھ ایک دوسرے کی ضد ہوتا ہے سفید فام اور کالا، عقل مند اور کند ذہن، سائنسی طرز فکر اور توہمات میں جکڑی سوچ، ٹن پیک خوراک اور حفظان صحت کے اصولوں سے گھری ہوی خوراک، صاف ستھرے خوشبوؤں میں نہائے یورپی اور پسینے میں شرابور محنت کش، پتھر اور فولاد سے بنا جگمگ کرتا علاقہ اور تنگ گلیوں اور کچرے سے بھری سڑکیں ارسطاطیلسی منطق کے تحت ایک دوسرے کو خارج کرنے کے اصول پر قائم رہتے ہیں مقامی کو کم تر قرار دینے کے ایک سے زیادہ فائدے ہوتے ہیں اسے احساس کمتری میں مبتلا کر کے اس کی شخصیت کو مسخ کرنے اور اپنا ارفع تصور پیش کرنے سے مقامی کے اندر کی مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ وہ بھی خود کو ان فرشتوں جیسے حاکموں کے مد مقابل آنے کے قابل نہیں سمجھتا اور ان کا مقابلہ کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ وہ دن رات سفید فاموں کی خدمت کرتا ہے وہ برسوں تک ان کی حجامت بنانے کے باوجود اپنے استحصال کنندہ کی گردن پر استرا پھیرنے کی جرات نہیں کر سکتا حالانکہ وہ روزانہ اس کی دسترس میں ہوتی ہے گلہ چاقو کی دھار نہیں بلکہ اندر سے اٹھنے والی مزاحمت کاٹ سکتی ہے مانویت کا اصول اس کی ذاتی صلاحیتوں کو تھپک تھپک کر سلا دیتا ہے اور اسے ایک اعلیٰ غلام بنا دیتا ہے۔

فینن

بہ قول فینن اس بات کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ استعمار زدہ شخص اپنی تہذیب کی کمتری کو جواب اس کے کردار کا جبلی سانچہ بن چکی ہے تسلیم کر لے۔ اپنی قوم کی بے وقتی کو مان لے اور بالا آخر خود اپنے حیاتیاتی ڈھانچے کی نامکمل اور بے ربط حیثیت سے آگاہ ہو جائے۔[10] فینن استعمار کے نمائندں کے ساتھ ساتھ مقامی دانش وروں کے کردار کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ اس کے مطابق مقامی دانش ور عموماً استعمار کے ہی تربیت یافتہ ہوتے ہیں آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ہی یہ دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں ایک وہ گروہ جو استعماری ممالک میں تربیت پانے کے باوجود جھوٹ اور سچ کی حقیقت پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اپنی بنیادوں سے رجوع کر لیتا ہے دوسرا وہ گروہ جو استعمار کا آلہ کار بن کہ ہنوز عوام کو گمراہ کرنے کا کام جاری رکھتا ہے۔ فینن نے ان دونوں گروہوں کے رد عمل کو بے ثمر قرار دیا ہے۔ وہ خاص طور پر اپنی توجہ دوسرے گروہ پر مرکوز کرتا ہے جو سفید فام کی تہذیبی برتری سے بچاؤ کے لیے اور اپنی نجات کی ضمانت حاصل کرنے کے لیے اپنی ان جانی جڑوں کی جانب لوٹنا اور خود کو عوام میں گم کرنا چاہتا ہے وہ اس ارتقا کے تین ادوار بیان کرتا ہے مقامی دانشور آغاز میں قابض ملک کے ادیبوں کی تحریروں سے اکتساب فیض کرتا ہے۔ اس کا تخلیقی محرک یورپ ہے یہ دور غیر مشروط انجذاب کا ہوتا ہے۔ دوسرے دور میں وہ اپنی اصل جاننے کی کوشش کرتا ہے یہ مشکل اور مایوسی کا دور ہوتا ہے جس میں اسے کڑے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ تیسرے دور میں وہ خود کو عوام میں گم کرنے والا اور بیدار کرنے والا بن جاتا ہے اس طرح ایک جنگجو ادب انقلابی ادب اور قومی ادب کی تشکیل ہوتی ہے۔ فینن مقامی دانشور کے اپنی تہذیب سے پیچیدہ رشتے کا جائزہ لے کر دانش ور کی اندرونی کشمکش اور اس کی مستند فن پارہ تشکیل دینے کی کوشش کا ماہرانہ تجزیہ کرتا ہے وہ مقامی دانشور کے طرز عمل کی خامیوں پر تنقید کرتا ہے اور اسے ایک خالص اور مکمل حل نہیں سمجھتا۔ فینن کے مطابق وہ فنکار جو قومی صداقتیں پیش کرنے کا تہیہ کر چکا ہے وہ حقیقی واقعات سے دور ماضی کی بازیافت کو چل نکلتا ہے کیونکہ نو آبادیاتی نظام مقامی کی تاریخ کو مسخ کر کے اُسے کم تر قرار دیتا ہے اس لیے مقامی دانشور اپنے ماضی کی طرف مراجعت کر کے اسے ارفع ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ تہذیب جس کی جانب وہ مائل ہوتے ہیں اکثر محض

[10] Fanon, *Iftādagān-e-Khāk*, 209.

رسوم وروایات کے ایک ڈھیر کے سوا کچھ نہیں ہوتی وہ خود کو روایت سے منسلک کرنے کی خواہش میں حال کے عوام کی حقیقی جدوجہد کو فراموش کر دیتے ہیں[11]۔ فینن پرانے سکوں اور پتھروں کے مقبروں کے موازنے ماضی کو کھنگالنے، گیتوں، نظموں یالوک کہانیوں سے قومی تہذیب کے وجود کی بجائے عوامی جدوجہد کو اہمیت دیتا ہے۔ وہ مجرد تصورات کے مقابلے میں مقامی دانشواروں کو آزادی کی عوامی جدوجہد میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ آزادی اور اس کی جدوجہد فینن کا بنیادی مطمع نظر ہے استعمار کا خاتمہ وہ اولین چیز ہے جس کے بعد قومی تہذیب نموپا سکتی ہے۔ وہ ایسے تمام دانشوروں پر جو استعمار کے تسلط میں رہتے ہوئے اپنی تہذیب کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں یہ واضح کرتا ہے کہ استعماری صورت حال کم و بیش ہر شعبے میں قومی تہذیب کی راہیں مسدود کر دیتی ہے استعماری کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے نئی تہذیبی راہیں یا قومی تہذیب میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں ہے فرانز فینن پیشے کے لحاظ سے ماہر نفسیات تھا اس سے نوآبادیاتی صورت حال میں زندہ رہنے والے مقامی باشندوں کا نفساتی تجزیہ ہے۔ اکثر نوآبادیات میں مقامی باشندوں سے سرزد ہونے والے جرائم کی شرح بلند ہوتی ہے اور یہ جرائم وہ ایک دوسرے کے خلاف زیادہ کرتے ہیں۔ فینن اس صورت حال کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے یہ اخذ کرتا ہے کہ نوآبادیاتی نظام میں جکڑا ہوا مقامی باشندہ مستقل طور پر اعصابی ہیجان کا شکار رہتا ہے وہ نوآبادکار کے ظلم خاموشی سے سہتا ہے لیکن اپنے جیسے دوسرے مقامی کے معمولی مخالفانہ تیور یا غصیلی نگاہ پر فوراً چھرا نکال لیتا ہے۔

اس کے لیے آخری چارہ کار یہ ہی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے مقابلے پر آکر اپنی شخصیت کا تحفظ کرلے اپنے بھائیوں کے خون میں نہانے کی سعی میں وہ اپنی راہ کی اصل رکاوٹ کو بھول جاتے ہیں اور اس انتخاب کو کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیتے ہیں جو انہیں بالآخر کرنا پڑتا ہے اور جس کے باعث نوآبادیاتی نظام کے خلاف جنگ کے آغاز کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ہڈیوں میں جمع شدہ جاہلیت کیونکہ اپنے جیسے لوگوں کے سامنے باآسانی نکل سکتی ہے اس لیے وہ اپنے اعصابی تناؤ کو تسکین دینے کے خاطر خونی وار داتوں، قبائلی جنگوں، خاندانی لڑائیوں اور انفرادی جھگڑوں میں مشغول رہتا ہے پسماندہ نوآبادیوں میں پائے جانے والے توہمات کو بھی فینن نفسیاتی نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ غیر ترقی یافتہ قوموں میں آسیب زدگی کی خوفناک کہانیوں پر یقین کیا جاتا ہے بدروحوں اور دیوزادوں کا خوف اس کے اندر رداستانوں کے ذریعے اتارا جاتا ہے۔ فینن کے مطابق مافوق الفطرت قوتوں کا یہ خوف دیسی باشندے کے چاروں طرف ممانعتوں باڑھوں اور رکاوٹوں کا ایک نظام تخلیق کر دیتا ہے جو نوآبادیاتی نظام سے خوفناک دکھتے ہیں یوں وہ اپنے اصل دشمن اور خطرے سے نمٹنے کی صلاحیت خود میں نہیں پاتا تو ان توہمات کو زیادہ بڑا تصور کر کے ان سے نمٹنے کی جستجو کرتا رہتا ہے۔ فینن نوآبادیاتی دنیا کہ مطالعے میں رقص اور جنونی نفسیات کے مظاہر کو سمجھنا اہم قرار دیتا ہے۔ دیسی قبائل کا بظاہر بے ہنگم اور آسیب کو بھگانے کے لیے مجنونانہ رقص پوری قوم کی جارحانہ قوت طبیعت کے تشدد اور اعصابی ہیجان کو آتش فشاں کے لاوے کی طرح خارج کر دیتا ہے اور وہ دوبارہ نوآبادکار کے ستم سہنے اور بے حس و حرکت رہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ نوآبادکار تقدیر کی قوت کا بار بار ذکر کرتا ہے وہ اپنی دلیلوں اور دیسیوں کی کمتری کو تقدیر کا لکھا قرار دیتا ہے مقامی بھی اس تصور کو قبول کر لیتے ہیں بد قسمتی اور عزبت کا سبب خدا کی ذات کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے کہ وہ ہی کاتب تقدیر ہے اس طرح فرد اس شکست وریخت کو قبول کرلیتا ہے۔ جو خدا کی جانب سے مقدر ہوئی ہے۔ مقامی قسمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور ایک قسم کے داخلی نظم وضبط کے ذریعے ایک پتھریلا سکون حاصل کرلیتا ہے[12]۔

[11] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k*, 14.

[12] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k*, 289.

نوآبادیات میں نوآبادیاتی نظام قائم کرنے کے لیے نوآبادکار حسن تعلیل کا سہارا لیتا ہے وہ مقامی باشندے کا استعمال کرتا ہے اس کو جسمانی، ذہنی، مالی، معاشی اور لاتعداد قسم کی اذیتوں میں مبتلا کرتا ہے ردِ عمل کے طور پر جب مقامی نفسیاتی طور پر بیمار ہو کر اپنے غم اور غصے کے اخراج کے لیے غلط ذرائع استعال کرتا ہے تو اسے استحصال کا نتیجہ نہیں بلکہ مقامی کی جبلّت بائیولوجی کی خرابی اور اس کی تقدیر کو ذمہ دار ٹھہریا جاتا ہے۔ استحصال کے نتیجے میں جرائم کی بلند شرح کو نوآبادکار اپنے قیام کی توجیح کے طور پر استحصال کرتا ہے استحصال کا شکار بقول فینن ہر نوآبادی ایک بہت بڑا باڑہ بنتی جاتی ہے۔ جہاں صرف چاقو کا قانون ہی چلتا ہے[13]۔ استعماری دور میں روٹی کا ایک ٹکڑا یا ایک ناتواں بھیڑ کے لیے کوئی کام بھی کیا جاسکتا ہے مقامیوں کا اتنا استعمال کیا جاتا ہے کہ انہیں دووقت کی روٹی اور زندگی کو برقرار رکھنا ہی سب سے اہم کام لگتا ہے استعماری دور میں گردوپیش کے حقائق کے ساتھ خارجی دنیا کے ساتھ اور تاریخ کے ساتھ انسانی تعلقات محض خوراکی تعلقات ہوتے ہیں۔ آزادی کی جدوجہد شروع ہونے کے بعد جیسے ہی مقامیوں کے اندر اس نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اُمید جاگتی ہے تو ان کے رویے بالکل بدل جاتے ہیں۔ آزادی کی جنگ کا آغاز ہوتے ہیں ان جرائم پیشہ مقامیوں کی کایا کلپ ہو جاتی ہے ایک دوسرے کی خاطر قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آزادی کے لیے لڑنے والوں کی ہر ممکن مدد کی جاتی ہے روٹی کے ایک ٹکڑے پر لڑنے والے خوراک کا پورا پورا ذخیرہ مجاہدین کے حوالے کر دیتے ہیں۔ فینن اس ساری صورت حال سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے لہٰذا الجزائری کی جرائم پسندی، اس کے جبلی محرکات اور اس کا قاتلانہ تشدد نہ تو اس کے اعصابی نظام کی ترتیب کا نتیجہ ہے اور نہ ہی اس کا کرداری وصف بلکہ استعماری صورت حال کا براہ راست ماحصل ہے[14]۔ نوآبادکار اس صورتحال کو اپنے قیام اور نوآبادیاتی نظام کے جواز کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مقامی باشندے کو جاہل، جرائم پیشہ اور وحشی قرار دے کر وہ اسے زنجیروں میں جکڑنے اور اپنے قیام کا اخلاقی جواز فراہم کرتا ہے اپنے مفاد کے لیے بچھائی جانے والی ریل کی پٹریاں، ملک میں ذرائع آمدورفت اور رابطوں کے تیز نظام کو وہ مقامیوں پر احسان کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ بقول فینن وہ جتلاتا ہے کہ ہم نے یہ سرزمین تخلیق کی۔ اگر ہم چلے جائیں تو سب کچھ ختم ہو جائے اور یہ ملک عہد متوسط میں چلا جائے[15]۔ نوآبادی میں لائی جانے والی ٹیکنالوجی، جدید عمارتیں، ذرائع آمدورفت کے بہتر نظام اور رابطے کا نظام، ہر ایک نوآبادکار اپنے مفادات کے حصول کے لیے تشکیل دیتا ہے اور ان سے دوہرے فائدے حاصل کرتا ہے ایک اپنا مفاد اور دوسرا مقامی پر احسان، نوآبادی کے وسائل اپنے ملک تک لے جانے کے لیے، بہتر سڑکیں اور رابطے کا بہتر نظام ضروری ہوتا ہے ٹیکنالوجی اسے غلام رکھنے میں مد ثابت ہوتی ہے لیکن نوآباد اسے مقامی کو جدید دنیا سے روشناس کرانا قرار دیتا ہے۔ وہ اسے نوآبادی کو ترقی یافتہ بنانے کے عمل کا حصہ قرار دیتا ہے وہ نوآبادی کے ماضی کو تاریک بنا کر پیش کرتا ہے۔ استعماری حکومت انجام کار جو مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی وہ اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ مقامی باشندہ یقین کرلے کہ استعمار اس کے اندھیروں کو کم کرنے کے لیے آیا تھا۔ استعمار نے مقامی باشندوں کو شعوری طور پر یہ تاثر دیا کہ اگر نوآبادکار چلے گئے تو وہ ایک بار پھر بربریت، پستی اور حیوانیت کی طرف لوٹ جائیں گے[16]۔

[13] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k,* 16.

[14] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k,* 291.

[15] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k,* 18.

[16] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k,* 185.

فینن نے نوآبادیاتی نظام کے جبر سے لے کر آزادی کی جدوجہد اوراس دوران استعماری سیاست دانوں قومی رہنماؤں مقامی دانشوروں اور مقامی باشندے کے ردعمل کا تجزیہ کیا ہے فینن مقامی آبادی میں وہاں کے رہنماوں اور مقامی دانشوروں کے کردار پر تنقید کرتا ہے اس کے مطابق آزادی کی اصل جنگ مقامی باشندوں کا دیہاتی اور پرولتاری گروہ سے تعلق رکھنے والا طبقہ لڑتا ہے۔ سیاسی جماعتیں عام طور پر اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا نہیں کرتیں فینن مقامی باشندے کی کمزوریوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور اس کے کچھ رویوں پر تنقید بھی کرتا ہے یہ طبقہ جس چیز کا سب سے زیادہ بھوکا ہوتا ہے وہ ہے عزت۔ وہ نوآباد کار کے خلاف اس لیے بھی ہتھیار اٹھاتا ہے کیونکہ وہ اسے حیوان سمجھتا تھا۔ جب آزادی کی جدوجہد ایسے مقام تک پہنچ جاتی ہے کہ نوآبادکار کو اپنی شکست سامنے نظر آنے لگتی ہے تو وہ نئ چالیں چلتا ہے۔ وہ مقامی باشندے سے مذاکرات کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے انسانی سطح پر آکر بات کی جاتی ہے۔ مقامی نوآبادکار کی نفرت اور جبریت کے اس قدر عادی ہو چکے ہوتے ہیں کہ کسی فیاضانہ رویے یا خیر سگالی کے ذرہ برابر اظہار کا بڑے تعجب اور مسرت سے خیر مقدم کرنے لگتے ہیں۔ مقامی باشندہ ہر شے کا اتنا بھوکا ہوتا ہے۔ ہر اس شے کا جو اسے انسانی درجہ دے سکے۔ انسانیت کی کسی بھی ہڈی کو جو اس کی سمت پھینکی جا سکے کہ اب جب کہ اس کی بھوک مطلق قابل برداشت نہیں رہتی ادھر ادھر کے بھیک کے چند ٹکڑے بھی اسے احسان مند کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں[17]۔ فینن کے مطابق مقامیوں پر یہ بات اچھی طرح واضح کر دینی چاہیے کہ وہ دشمن کی رعاتیوں سے فریب نہ کھائیں۔ مقامی باشندہ جدوجہد سے سیاسی یا مسلح جو بھی حاصل کرتا ہے وہ نوآبادکار کی خوش خلقی یا خیر سگالی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مراعات کو اب مزید نہیں ٹال سکتا۔ فینن نے آزادی حاصل کرنے کے بعد نوزائیدہ ملک کی سیاسی جماعتوں بورژوا طبقے اور عوام کے ردعمل کا بھی جائزہ لیا ہے۔ قومی جماعتیں آزادی کے نعروں سے لوگوں کو بیدار کرتی ہیں اور باقی سب کام مستقبل پر چھوڑ دیتی ہیں جب ایسی جماعتوں سے ملک کے اقتصادی پروگرام کے بارے میں جس کے متعلق وہ شور مچاتے ہیں یا اس حکومت کی نوعیت کے بارے میں جو وہ برسر اقتدار لانا چاہتے ہیں سوال پوچھا جاتا ہے تو وہ جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ہی ملک کی اقتصادیات سے متعلق لاعلم ہوتے ہیں۔ آزادی حاصل کرنے سے قبل قومی جماعتوں کے پاس ایسا کوئی لائحہ عمل نہیں ہوتا کہ مملکت کو کس طرح چلایا جائے گا۔ انتظامی ڈھانچے کو چلانے والے نوآبادکاروں کی خالی جگہ پر کرنے کے لیے اس آزاد ریاست میں ماہرین موجود نہیں ہوتے جس طبقے کو حکومت کی باگ ڈور ملتی ہے وہ جلد ہی اختیارات اور دولت کی افیون سے حواس کھو بیٹھتا ہے۔ زرعی مزدوروں کا استحصال پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے ترقی کے منصوبے تیار نہیں کیے جاتے۔ عوام کی ترقی کی بجائے قومی رہنما ذاتی آسائشوں میں غرق ہو جاتے ہیں۔

فینن کانگو سے شائع ہونے والے اخبار، افریقی ہفت روزہ کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے حکمرانوں پر کڑی تنقید کرتا ہے۔ کہ وہ آسائشات کے عادی ہو کر قوم کے مسائل سے بے بہرہ ہو گئے ہیں غیر ملکی دوروں میں مصروف رہتے ہیں ان کے اردگرد پھیلا دولت کا خول چاروں جانب پھیلی غربت دیکھنے نہیں دیتا۔ نوآبادیاتی حکومت کو ختم ہونے کے تیسری دنیا کے ممالک میں مقامی حکمرانوں کے یہ رویے عام ہیں۔ یہ ہفت روزہ کانگو کے عوام کو فاقے کرانے والوں سے یہ کہتا ہے کہ خدا انہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا آگے۔ چل کر یہ ہفت روزہ لکھتا ہے۔ اگر آپ کے دلوں میں ان لوگوں کے کوئی جگہ نہیں ہے جو آپ کے ماتحت ہیں تو خدا کے گھر میں بھی آپ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی[18] یہ تو ظاہر ہی ہے کہ قومی بورژوا ایسی فرد جرم کی ذرا بھی پروا نہیں

[17] Fanon, *Iftādagān-e-Khāk*, 114.

[18] Fanon, *Iftādagān-e-Khāk* 148.

کرتا۔ اپنے کان یورپی لَے پر لگا کر۔ یہ بڑی شدت اور ثابت قدمی کے ساتھ صورتحال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ بے پناہ منافع جو اسے عوام کے استحصال سے حاصل ہوتا ہے غیر ملکوں کو بھیج دیا جاتا ہے۔ فینن نے اپنی تحریروں میں نوآبادیاتی صورت حال میں موجود نو آباد کار، مقامی، مقامی دانشور، سیاست دان اور نوآبادیاتی نظام سے چھٹکارا پانے کے بعد مقامی حکمرانوں کے رویوں کا تجزیہ کرکے سابق محکوم اقوام کے لیے ایک نیا راستہ دریافت کیا ہے۔ یہ راستہ اس کی تحقیق کا نچوڑ اور سابق نو آبادیوں کے لیے ایسا لائحہ عمل ہے جو انہیں آزاد دنیا میں ایک باعزت مقام دلا سکتا ہے۔ نو آبادیات عہد میں محکوموں کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں، نو آباد کار کی روایت کی پیروی یا اس کا مکمل انکار لیکن فینن نے ان دونوں راستوں کو رد کیا ہے وہ تیسری دنیا کی قوموں کو اپنے ماضی کے ترانے گانے سے بھی روکتا ہے اور انہیں یورپ کی اندھا دھند تقلید پر بھی آمادہ نہیں کرتا۔ وہ لکھتا ہے۔

ہمیں بنجر دعاؤں اور مکر نقالی میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ یورپ کو اپنے حال پر چھوڑ کے وہاں لوگ انسان کے موضوع پر بات کرتے نہیں تھکتے لیکن انہیں جہاں بھی انسان نظر آتا ہے اسے قتل کر دیتے ہیں۔ صدیوں تک انہوں نے نام نہاد روحانی واردات کے نام پر کم و بیش پوری انسانیت کا گلا گھونٹے رکھا ہے ذرا انہیں آج دیکھئے ایٹمی اور روحانی انتشار کے درمیان لٹک رہے ہیں[19]۔ وہ یورپ کے استعماری رویوں پر تنقید کرتا ہے اور تیسری دنیا کو اپنا ایک نیا افق تلاش کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ نہ تو ان دانشوروں کے ساتھ ہے جو اپنے ماضی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور قومی تہذیب کے نام پر پرانے بے روح رسوم و رواج کو پھر گلے لگانے پر مصر ہیں اور نہ ہی یورپ کی مکمل تقلید کرنا چاہتا ہے بلکہ یورپ کی مثبت ترقی سے فائدہ اٹھا کر اپنی الگ شناخت کے ساتھ جینا چاہتا ہے۔ فینن یورپ کی ترقی کو ترقی نہیں مانتا وہ اس کی کوششوں کو دیوانگی اور ناعاقبت اندیشی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم بھی ترقی کا مطلب یورپ کی سی ترقی سمجھیں گے تو دنیا کو ایک اور غاصب کی ضرورت نہیں وہ امریکہ کی مثال دیتا ہے کہ اس نے یورپ جیسا بننے کی کوشش کی اور آج وہ یورپ سے بھی بڑھ کر ننگ انسانیت ہے۔ وہ تیسری دنیا کو ان مسائل کے حل کی دعوت دیتا ہے جو کہ یورپ حل نہ کر سکا۔ تیسری دنیا ایسی تاریخ بنانا چاہتی ہے جو یورپ کی عظیم الشان تحقیق کو بھی سامنے رکھے گی اور یورپ کے جرائم کو بھی نہیں بھولے گی۔

یورپ کے اپنے لیے انسانیت کو تاریخ کا ایک نیا ورق الٹنا چاہیے۔ ہمیں نئے تصورات پیش کرنے چاہیے اور نئے انسان کو اس کے قدموں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ 21

خلاصۂ بحث

فرانز فینن کی تحریروں میں نو آبادیات کو قائم رکھنے کے لیے اختیار کیے گئے لائحہ عمل پر تفصیلی بحث ملتی ہے اس نے محکوم اقوام کی رعایا، دانش وروں، فن کاروں اور سیاست دانوں کے رد عمل اور آزادی ملنے کے بعد ان کی صورت حال کا تجزیہ بھی کیا۔ نو آباد کاروں اور مقامی رشتے کو بیان کرنے کے بعد وہ باقاعدہ تیسری دنیا کی اقوام کے لیے ایک نیا راستہ تجویز کرتا ہے۔ وہ راستہ جو انہیں اصل آزادی کی طرف لے جانے والا ہے۔ مابعد نو آبادیات کی تھیوری کی تشکیل میں فرانز فینن کو بنیاد گزار کی حیثیت حاصل ہے۔ اس نے نے اس تھیوری کی جمالیات کی تشکیل میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

---

[19] Fanon, *Iftā dagā n-e-Khā k*,297.